JAHAN E TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

وارث علوی کی اُردو فکشن پر تنقید کا المیہ

IMPERFECTION IN WARIS ALVI'S CRITICISM ON URDU FICTION

ڈاکٹر محمد راشد اقبال

اسسٹنٹ پروفیسر (اُردو) گورنمنٹ اسلامیہ گریجویٹ کالج، قصور

ڈاکٹر طاہرہ غفور

لیکچرر (اُردو) گورنمنٹ گریجویٹ سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی

ڈاکٹر ماجد علی

ڈاکٹر محمد سہیل اقبال

Abstract:

A critic's obligation is to define the value of an artist's literary creation. Waris Alvi is hailed as a great critic in Urdu literature. He is recognised for his mesmerising criticism on Khwaza Ahmad Abbas, Quratul Ain Haider, Aziz Ahmed, Abdullah Hussain and Iqbal Majeed etc. Sometimes, his criticism creats sensational impression among readers based on fabricated criticism opinion especially about great Urdu shortstory writers and novelists. This article describes Waris Alvi's imperfection in criticism analysis.

تنقید ایک ایسا تخلیقی عمل ہے جس میں تخلیقات کو معائب و محاسن کی روشنی میں پرکھنا یا تشریح و توضیح کرنا ہی نہیں بلکہ فن پارے میں نئی جہتیں تلاش کرنا اور نئے معنی و مفاہیم پیش کرنا بھی تنقید کے منصب میں شامل ہے۔ تخلیقی فن پارے کو ادبی مقام و مرتبہ دلانے میں تنقید کا کردار کلیدی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

اُردو تنقید کی روایت میں ایک مکتب فکر ایسا بھی ہے جنھوں نے ہر تخلیق کار کے کام کو رد کرنا اور خامیاں نشان زد کرنا ہی فرضِ تنقید سمجھا اور یہ ہتک آمیز تنقیدی رویے اُردو کی ادبی تنقید میں ان کی شہرت کے بھی امتیازی پہلو بن گئے۔ ڈاکٹر محمد صادق اور فراق گورکھپوری کی اقبال مخالف تحریریں، محمد حسن عسکری کا اُردو ادب کی موت کا اعلان، کلیم الدین احمد کا غزل کی مخالفت کرنا، ڈاکٹر محمد احسن فاروقی کا ناول کے ناقدین کو مناظرے کی دعوت اور شمس الرحمن فاروقی کا اُردو افسانے کو رد کرنا اور وارث علوی کا شمس الرحمن فاروقی کو فکشن پر تنقید نہ لکھنے کا مشورہ وغیرہ نقادوں کے وہ تنقیدی رویے ہیں جن کی گونج عصر حاضر میں بھی سنی جا سکتی ہے۔

ان تمام نقادوں میں ایک قدر مشترک ہے کہ ان کا تعلق انگریزی ادبیات سے ہے خاص طور پر محمد حسن عسکری کا انگریزی ادب کے ساتھ فرانسیسی زبان و ادب کا مطالعہ، کلیم الدین احمد کا ایف آر لوکاس کے زیر سایہ مغربی ادب سے استفادہ اور وارث علوی کے انگریزی ناول کے وسیع مطالعے سے کسی کو انکار نہیں لیکن اُردو فن پاروں کو مغربی تنقیدی اُصولوں پر پرکھنے کے بعد کم تر ثابت کرنے کے رجحان کو بھی انھوں نے تقویت دی اور سلیم شہزاد کے خیال میں تو علوی کی سب سے بڑی کمزوری اُن کا مغربی ادب اور تہذیب کا مطالعہ ہے جو اُردو میں انھیں سوچنے دیتا ہے نہ اُردو تنقید کے تعلق سے کچھ کرنے دیتا ہے۔[1] جیلانی کامران (جن کا اپنا تعلق بھی انگریزی ادب سے ہے) بیان کرتے ہیں:

> انگریزی ادبیات کے طالب علم اپنے معیار انگریزی سے اخذ کر کے ان کا اطلاق اُردو ادب پر کرتے ہیں اور اس طرح اُردو ادب میں انگریزی مزاج کو ڈھونڈنے کی کوشش میں اُردو ادب اور مسلمانوں کے ادب کے بارے میں شکوک پیدا کرتے ہیں۔ اس انداز نظر کی وجہ سے غلط سوالات اٹھتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ اُردو ادب میں

اپیک نہیں ہے۔ ٹریجڈی نہیں، لی رک نہیں ہے، ڈرامہ نہیں ہے اور چونکہ یہ سب کچھ نہیں ہے اس لیے اُردو ادب کمتر ادب ہے۔[2]

اُردو تنقید میں وارث علوی کا نام عصر حاضر میں بڑے نقاد کے طور پر ابھرا ہے لیکن افسوس کی بات ہے کہ نقادوں نے انہیں ابھی پوری طرح قبول نہیں کیا شاید اس کی ایک بڑی وجہ ان کا جارحانہ رویہ ہے۔ اکیسویں صدی میں شائع ہونے والی اُردو کی تنقیدی کتب میں صفحات تو در کنار اُن کا نام بھی نقادوں کی فہرست میں شامل کرنا گوارا نہیں کیا۔ جب کہ وارث علوی اُردو نقادوں کی صف میں ایک منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ لیکن جہاں نقاد وارث علوی کی تنقیدی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہیں وہاں اُن کی تنقیدی فکر کو ادھورا بھی قرار دیتے ہیں۔ علی حماد عباسی لکھتے ہیں:

وارث علوی کے مضامین میں آہنگ ہے لیکن کوئی مربوط نظام فکر نہیں ہے، جذبہ ہے لیکن منطق نہیں ہے، ذہنی ارتقا کے مراحل ہیں لیکن منزل نہیں۔ وارث لا محدود امکانات کا نقاد ہے۔ وہ بہت کچھ بن سکتا ہے اور کچھ بھی نہیں بن سکتا۔ وہ ادھوری سچائی کا دانش ور ہے۔ پوری سچائی اُس پر کب آشکار ہو گی، یہ ایک سوالیہ نشان ہے؟[3]

بہر حال اُردو تنقید میں وارث علوی کی مخصوص پہچان اُردو فکشن پر لکھی گئی وہ تنقید ہے جس نے ادبی دنیا میں نئے مباحث کو جنم دیا۔ فکشن میں دل چسپی کی وجہ وراث علوی نے گلزار جاوید کو ایک انٹرویو میں یہ بتائی:

افسانہ اور ناول پڑھنے کا شوق تھا۔ اس میں آرٹ کے ساتھ ساتھ زندگی اور معاشرے کے مسائل پر بھی گفتگو ہو سکتی تھی۔ ناول کو دورِ جدید کی فلسفیانہ سرگرمی کہا گیا ہے۔ دورِ جدید کو شاعری کا نہیں ناول کا عہد کہا گیا ہے۔[4]

وارث علوی تخلیقات کی تشریح و توضیح ہی نہیں کرتے بلکہ فن پارے کے معائب و محاسن کو وسیع مطالعہ کے تناظر میں پرکھتے ہیں لیکن وارث علوی مغربی نقادوں کے نظریات کی بھر مار کر دیتے ہیں جو اُردو فکشن نگاروں کے ساتھ ناانصافی ہے۔ علی احمد فاطمی نے وارث علوی کے اس رویے کی نشاندہی اس طرح کی ہے:

وارث علوی کے ہاں تضادات بھی ہیں اور تصادمات بھی۔ وہ دوسروں پر اعتراض کرتے ہیں کہ جدید نقاد مغربی نقادوں کے تذکرے کرتے ہیں لیکن وہ خود بھی مغربی فن کاروں اور دانشوروں کے ذکر کے بغیر ایک قدم آگے نہیں بڑھتے۔[5]

جب کہ فضیل جعفری نے بھی وارث علوی کے اس تنقیدی رویے پر درست اور غیر جانبدارانہ رائے کچھ یوں دی ہے:

وارث علوی جن تنقیدی اصولوں کا پرچار کرتے ہیں یا جن پر زور دیتے ہیں انہیں بسا اوقات خود اپنے مضامین میں نبھا نہیں پاتے۔ اس کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ وہ مناظراتی انداز سے محض کام لینے کے بجائے اسے اکثر تجزیاتی انداز پر غالب ہو جانے دیتے ہیں۔[6]

وارث علوی کا فکشن سے عشق اور لگاؤ کی زندہ مثال وہ مضامین ہیں جو انھوں نے وسیع مطالعہ کے بعد طویل عرصہ میں لکھے۔ یہ بات درست ہے کہ وارث علوی اُردو فکشن کا ایک بڑا نقاد ہے لیکن ان کے تنقیدی مضامین میں طوالت ایک خوبی نہیں بلکہ خامی ہے۔ یہ طوالت مضمون میں ربط اور تسلسل پر بھی اثر انداز ہوتی ہے بقول سکندر احمد وارث علوی کا انداز کسی غائب دماغ پروفیسر کا ہے جو ہر تیسرے جملے کے بعد پوچھتا ہے "ہاں تو میں کہہ رہا تھا؟" اور اپنی نفی کر دیتا ہے۔ اور اسی طوالت کے نتیجے میں فن پارے پر توجہ مبذول کرنے کی بجائے ذاتیات کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ جس سے وارث علوی کا حقارت آمیز رویہ سامنے آتا ہے۔ باقر مہدی لکھتے ہیں:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

> وارث تنگ نظری، ملائیت اور کٹرپن کے خلاف لکھتے ہوئے خود بھی کبھی کبھی اسی کا شکار ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ اپنے لب و لہجے میں حقارت ہی کا اظہار نہیں کرتے بلکہ اکثر طنزِ بے جا سے کام لیتے ہیں اور عام نقادوں کی طرح صرف اپنے بیان پر زور دیتے ہیں۔ انھیں تنقیدی مزاج کی اتنی فکر نہیں رہتی جتنی اسے نہایت دل چسپ بنانے کی فکر رہتی ہے۔[8]

قُرۃ العین حیدر کے ناول ''آخر شب کے ہم سفر'' پر لکھے گئے مضمون میں وارث علوی نے ''آخر شب کے ہم سفر''، انتظار حسین کا ناول ''بستی''، قاضی عبدالستار کا ناول ''شب گزیدہ'' اور جوش ملیح آبادی کی آپ بیتی ''یادوں کی برات'' کو جاگیردارانہ تمدن کی موت کا نوحہ قرار دیا ہے۔ ''آخر شب کے ہم سفر'' کو موضوع بحث بنانے کے علاوہ اس کا دوسرے ناولوں سے تقابل بھی قدر مشترک کی بنا پر غور طلب ہے۔ وارث علوی ''یادوں کی برات'' اور انتظار حسین کے پہلے افسانوی مجموعے ''کنکری'' کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ کنکری'' کے افسانے اور ''یادوں کی برات'' نہ لکھی گئی ہوتی تو نئی نسل یہ بات جان بھی نہ سکتی کہ زمانہ جو بیت گیا اس کا کیا رنگ ڈھنگ اور آہنگ تھا[9]

انتظار حسین کے ابتدائی افسانوی مجموعے ''کنکری'' اور ''گلی کوچے'' کے افسانوں کی بڑی تعداد صرف ایک ہی پس منظر کو بیان کرتی ہے جس سے فکشن کے قاری کی بوریت میں مسلسل اضافہ ہوتا ہے۔ ان افسانوں کے پلاٹ اور منظر نگاری میں ادبی تخلیق کا عنصر شامل نہیں ہے۔ ان افسانوں کی کہانی ماضی کی بھول بُھلیاں سے ہوتی ہوئی کبھی ہندوستان اور کبھی پاکستان کے کسی شہر میں اختتام پذیر ہوتی ہے۔ وارث علوی نے ''آخر شب کے ہم سفر'' کے کرداروں پر بھی اعتراض کیا ہے۔ اس ناول کے کرداروں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اول تو یہ کہ ناول زنانہ کرداروں سے بھرا ہوا ہے۔ ریحان الدین کے ساتھ کوئی مرد نہیں، وہ خوبصورت عورتوں میں گھرے ہوئے ہیں اور ناول ان عورتوں ہی کی کہانی بنتا ہے۔ چونکہ یہ کہانی بھی آدرشوں اور رستوں کے ٹوٹنے اور من پسند آدرشوں اور شوہروں کو نہ پانے، لہٰذا سماج اور شوہر سے ایک غیر اطمینان بخش اور کھوکھلی مفاہمت کی کہانی بن جاتی ہے[10]

یہاں پر ایک اہم بات یہ ہے کہ وارث علوی نے قُرۃ العین حیدر کے دوسرے ناولوں کو نظر انداز کیا ہے۔ قُرۃ العین حیدر کے تمام ناولوں (آگ کا دریا، گردشِ رنگِ چمن، چاندنی بیگم، میرے بھی صنم خانے وغیرہ) میں زنانہ کرداروں کی بھرمار ہے۔ لہذا یہ قراۃ العین حیدر کا کوئی واحد ناول نہیں جس میں زنانہ کرداروں کی بھرمار ہے۔

وارث علوی نے ایک مضمون میں خواجہ احمد عباس کے ناول ''انقلاب'' اور عبداللہ حسین کے ناول ''اداس نسلیں'' کو کم تر ناول قرار دیا ہے۔ اسی طرح کرشن چندر کو خواجہ احمد عباس اور عبداللہ حسین پر فوقیت دیتے ہیں۔ وارث علوی کا خیال ہے:

> حسِ ظرافت اور طنز کا عبداللہ حسین اور احمد عباس دونوں کے ناولوں میں زبردست فقدان ہے۔ دوئم یہ کہ کرشن چندر کے پاس پھر ایک شاعرانہ اسلوب ہے، گو کرشن چندر طنز و مزاح کی دولت سے بھی مالا مال ہے[11]

وارث علوی صرف طنز و مزاح کی بنا پر کرشن چندر کو خواجہ احمد عباس اور عبداللہ حسین سے بہترین ناول نگار قرار دیتے ہیں حالانکہ ناول ''انقلاب'' اور ''اداس نسلیں'' سنجیدہ موضوع پر لکھے گئے ہیں جن میں طنز کی تو گنجائش ہو سکتی ہے لیکن مزاح کی ضرورت نہیں ہے۔ خواجہ احمد عباس تو ایک بڑا نام ہے۔ لیکن اس بودی دلیل پر عبداللہ حسین کو بھی کرشن چندر سے کم تر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کرشن چندر بسیار نویسی کے حوالے سے اُردو ناول نگاری میں کافی بدنام ہیں۔ انھوں نے 48 ناول لکھے ان میں سات آٹھ ناولوں کے علاوہ باقی چالیس ناولوں کا کوئی ادبی معیار نہیں ہے۔ وہ انہیں نہ بھی لکھتے تو کچھ فرق نہ پڑتا۔ اُردو ناول کی تاریخ میں اتنے ناکام ناول لکھے جانے کی یہ ایک عظیم مثال ہے۔ آسمان روشن ہے، آئینے اکیلے ہیں، اُس کا بدن میرا چمن، ایک عورت ہزار دیوانے، باون پتے، برف کے پھول، پانچ لوفر، چنبل کی چنبیلی، دوسری برف سے پہلے، سپنوں کی وادی، سڑک واپس جاتی ہے، طوفان کی کلیاں وغیرہ اُن کی بسیار نویسی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

وارث علوی اپنے ایک مضمون ''افسانے کی تشریح: چند مسائل'' میں منٹو کے چند افسانوں کو موضوع بحث بنایا ہے۔ان افسانوں میں ''بابو گوپی ناتھ''، ''پانچ دن'' اور ''باسط'' وغیرہ کا تجزیہ بھی کیا ہے اور خاص طور پر افسانہ ''پانچ دن'' پر زیادہ توجہ مرکوز کی ہے۔حالانکہ ''باسط'' اور ''پانچ دن'' منٹو کے غیر معروف افسانے ہیں۔وارث علوی نے ان افسانوں کی نئے انداز سے تشریح و توضیح کر کے ان کی ادبی اہمیت کو نمایاں کیا ہے اور افسانہ ''پانچ دن'' کا جو تجزیہ یا تبصرہ ممتاز شیریں نے پیش کیا تھا اس پر بھی وارث علوی نے تفصیلی انداز میں اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔وارث علوی لکھتے ہیں:

افسانہ کی ہیت کو نظر انداز کر کے محض افسانہ کے پلاٹ یا کہانی سے معنی اخذ کرنے کے نتائج کیسے غلط نکل سکتے ہیں۔اس کی عبرت ناک مثال منٹو کے افسانے ''پانچ دن'' پر ممتاز شیریں کا تبصرہ ہے [12]

وارث علوی نے مضمون ''ناول پلاٹ اور کہانی'' میں اُردو ناول کے پلاٹ اور کہانی کے تانے بانے پر بات کی ہے۔وارث علوی جدید اُردو افسانے کی طرح اُردو ناول سے بھی مایوس ہیں۔ان کے نزدیک اُردو میں معیاری ناول نہ ہونے کے برابر ہیں۔وارث علوی اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

اگر قُرۃ العین حیدر اپنی شاندار ناولوں کو لے کر نہ آتیں تو ہمارے ڈزن پورے نہ ہوتے۔عبداللہ حسین اور انتظار حسین نے کچھ اضافہ کیا۔لیکن مطلع صاف ہو گیا۔نئے لکھنے والوں سے افسانہ سنبھل نہیں سکتا تو ناول کا کیا ذکر۔سوائے عزیز احمد اور قُرۃ العین حیدر کے کوئی ناول نگار اتنا بڑا بھی نہیں کہ اس کے یہاں میجر اور مائنر یعنی بڑی اور چھوٹی تخلیقات کی تفریق بھی کی جائے۔دوسرے درجے کے ناولوں کی روایت جو ہر زبان میں دنیائے افسانہ کی ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے وہ ہمارے یہاں کیسے تشکیل پاتی جب کہ ایک اچھا ناول لکھنے کے بعد بانجھ ہو جانا ہمارے ناول نگاروں کا عام وطیرہ ہے۔[13]

وارث علوی جن چار ناول نگاروں کو کامیاب ناول نگار گردانتے ہیں (قرۃ العین حیدر، عزیز احمد، عبداللہ حسین، انتظار حسین) ان کا بھی ناکام ناول لکھنے میں برابر کا حصہ ہے۔قُرۃ العین حیدر کے سوائے دو تین ناولوں کے باقی تمام ناول اتنے معیاری نہیں ہیں خاص طور پر ان کے ناولٹ چائے کے باغ، ستیاہرن، دلربا وغیرہ تو مشکل سے ہی فکشن کے قاری کی توجہ اپنی طرف مبذول کرواتے ہیں۔

عزیز احمد نے بھی ابتدا میں کچھ ایسے ناکام ناول لکھے جن میں ''مرمر اور خون''، ''آگ'' اور ''ہوس'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔عبداللہ حسین کے ناول ''اداس نسلیں'' کو جو شہرت اور کامیابی حاصل ہوئی وہ باقی دوسرے ناولوں کے حصے میں نہیں آئی۔حالانکہ ''اُداس نسلیں'' کے آخری ابواب بھی بوریت سے بری الذمہ نہیں۔انتظار حسین کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے جس ماضی کا ماتم انہوں نے اپنے ابتدائی افسانوں میں کیا وہی روش انھوں نے اپنے ناولوں میں بھی برقرار رکھی۔

وارث علوی نے بانجھ ہونے کی روایت کو صرف اُردو ناول کے ساتھ ہی منسوب کیا ہے۔حالانکہ مغربی ناول بھی بانجھ ہونے کی روایت سے اپنے آپ کو بچا نہ سکا۔کافکا، فلابیر، کامیو، ہرمن میلول، ہرمن ہیسے، اناطول فرانس وغیرہ بھی اپنے ایک ایک شاہکار کی وجہ سے ہی دنیائے ادب میں زندہ ہیں۔وہاب اشرفی نے وارث علوی کی سنسنی خیز آرا کے بارے میں لکھا ہے کہ:

وارث علوی عام طور پر سنسنی خیز رائیں قائم کرتے ہیں۔یہ کہنا کہ ہمارے یہاں ناول کے فنکار نہیں، انشاپرداز اور صحافی بلکہ سدھارک وادی ہیں۔اگر صحیح بھی ہے تو اس سے ناول نگار کی صحت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ناول نگار تو نثار ہوتا ہی ہے انشاپرداز بھی ہے تو برا نہیں، صحافی رہتے ہوئے بھی اچھا خالق ہو سکتا ہے۔اگر سدھارک وادی ہے اور اپنے فن پر قدرت رکھتا ہے تو کیا نقصان ہو سکتا ہے [14]

''جدید افسانہ اور اُس کے مسائل'' میں وارث علوی نے جدید اُردو افسانے کے بارے میں چار مضامین لکھے ہیں۔ان میں جدید اُردو افسانے کی شدت کے ساتھ مخالفت کی ہے اور تمثیل، استعارے اور علامت کو ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے قرار دیتے ہیں۔علامت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کچھ اس طرح کرتے ہیں:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

میرا خیال یہ ہے کہ علامت ایسی ذہنی نفسیات اور جذباتی کیفیتوں کا اظہار کرتی ہے جو اتنی نازک اور لطیف ہوتی ہیں کہ سوائے غنائی فارم کے کسی اور طریقے سے اظہار نہیں پاسکتیں جیسا کہ ورجینیا وولف کی ناولوں میں دیکھا جاسکتا ہے[15]

وارث علوی علامت کو جدید اُردو افسانے میں ایک خامی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔اُن کے خیال میں جدید افسانے میں حقیقت پسندی کی کمی ہے اور زندگی کے حقائق کو اچھی طرح پیش نہیں کیا اور علامتی افسانے کو وجودی مسائل سے سروکار رکھنے والی کہانی قرار دیا ہے۔حالانکہ علامتی افسانے میں حقیقت نگاری کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں جن میں زندگی کو تمام رنگوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔وارث علوی مزید لکھتے ہیں:

ہمارے افسانے زندگی کے حقائق کو فنکارانہ حقائق میں تبدیل نہیں کر سکتے تو قصور تخلیقی صلاحیت ہی کا ہے۔ حقائق کی ناگواری کا نہیں۔ہم سے نہ ''بو'' لکھا گیا نہ ''لحاف'' ہمارا افسانہ انشائیہ بن گیا جس میں زندگی نہیں بلکہ شخصیت پیش پیش ہوتی ہے۔ بد قسمتی سے یہ شخصیت بھی دانائے راز اور پیغمبر پُر جلال کی شخصیت ہے کیونکہ علامتی افسانہ وجود اور مابعد الطبعیاتی مسائل سے سروکار رکھتا ہے اور سماجی، نفسیاتی اور اخلاقی زندگی کی ترجمانی کا کام اس کے برعکس حقیقت پسند اُسلوب کرتا ہے[16]

وارث علوی نے ''بو'' اور ''لحاف'' کو کامیاب اور زندگی کی عکاسی کرنے والے افسانوں کے طور پر پیش کیا ہے۔''بو'' تو ایک کامیاب اور زندگی کی بہترین انداز میں عکاسی کرنے والا افسانہ ہے لیکن ''لحاف'' اتنا کامیاب افسانہ نہیں ہے اور نہ ہی اُس میں زندگی کے حقائق کو کسی اچھے ڈھنگ سے پیش کیا گیا ہے۔ اس کی شہرت صرف دائر کردہ عدالتی مقدمہ کی بناء پر ہے۔ یہ افسانہ بے جان مکالموں، کمزور پلاٹ اور بوریت کا حامل ہے۔ اگر کوئی بات قاری کے لئے دلچسپی کا باعث ہے تو وہ افسانے کا عنوان ''لحاف'' ہے جس کے اندر جھانکنے یا جاننے کا تجسس قاری کو پورا افسانہ پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔لیکن اگر یہاں ممتاز مفتی کے افسانوں کو مدِ نظر رکھا جاتا تو وہ بھی قابلِ تحسین تھے اور اُن میں زندگی کے حقائق کی عکاسی بھی خوبصورت اور علامتی انداز میں کی گئی ہے۔

اس تصنیف میں وارث علوی نے جدید افسانے پر جارحانہ انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور جدید افسانے کو زندگی کے حقائق بیان نہ کرنے کی وجہ سے ناکام قرار دیا ہے۔ایک اقتباس اور ملاحظہ کریں جس میں جدید افسانے کو رد کیا گیا ہے:

یک سُرے پن کا یہ عالم ہے کہ رسالوں میں چھپنے والے تمام افسانے ایک ہی افسانہ نگار کے کارنامے معلوم ہوتے ہیں۔ایک ہی مصنف کے دس افسانے پڑھ جایئے، آپ کو یہی محسوس ہوگا کہ ایک ہی افسانہ پڑھا ہے[17]

لیکن یہ کیفیت وارث علوی کو انتظار حسین کے ابتدائی دور کے افسانوں میں نظر نہیں آئی جب کہ یہی مسئلہ انتظار حسین کے افسانوی مجموعوں ''کنکری''، ''گلی کوچے'' اور تمام ناولوں میں نمایاں طور پر موجود ہے اور وارث علوی ان افسانوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔اسی کتاب میں وارث علوی نے جدید افسانے کی زبان کے بارے میں بھی تفصیل کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔وارث علوی رقم طراز ہیں:

جدید افسانہ نگار کا افسانہ تو زبان کے معاملے میں اس قدر مفلس ہے کہ فقیر کے پیراہن تار تار کی مانند، زبان حال سے کہتا ہے کہ تن پوشی کے لئے اس کے پاس اور کچھ نہیں۔پھٹے کپڑے ستر پوشی نہ کرتے ہوں تو آدمی سمٹ کر بیٹھتا ہے۔جدید افسانہ اکثر جگہ سمٹا ہوا، دبکا ہوا، پہلو تہی کرتا ہوا نظر آتا ہے[18]

جدید افسانے کی زبان اتنی گری ہوئی نہیں ہے لیکن مشکل ضرور ہے اگر زبان یا اسلوب مشکل ہو تو اُسے بالکل رد نہیں کیا جاسکتا۔جدید افسانے میں وارث علوی نے صرف بلراج مین را، انور سجاد، سریندر پرکاش اور احمد ہمیش کو ہی قبول کیا ہے جبکہ ان تمام افسانہ نگاروں کی زبان، اسلوب اور علامتی انداز بھی انتہائی پیچیدہ ہے۔ ان کے علاوہ چند اور بھی نام ہیں جن کا وارث علوی حقیقت نگاری کی وجہ سے ادبی مقام و مرتبہ کا تعین کرتے ہیں۔ ان میں قُرۃ العین حیدر، انتظار حسین، غیاث احمد گدی، مرزا حامد بیگ، محمد منشاء یاد، خالد اصغر، انور خاں اور سلام بن رزاق وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1 2024

دوسری ادبی اصناف پر لکھی گئی تنقید کی نسبت اُردو فکشن کی تنقید کی عمر بہت کم ہے پھر بھی وارث علوی کو اس بات کا گلہ ہے کہ آج تک فکشن کی تنقید کا کوئی موزوں اور مناسب طریق کار پروان نہیں چڑھا۔ شاید اس آرا سے نقادوں کی ایک بڑی تعداد متفق نہ ہو لیکن وارث علوی حق بجانب ہیں اس میں شک نہیں کہ محققین اور ناقدین نے ایک ہی موضوع پر عنوان کو بار بار تبدیل کر کے سینکڑوں مقالے اور کتب لکھی ہیں۔

وارث علوی نے اُردو فکشن کا ہر زاویہ نظر سے تجزیہ کیا ہے اور جدید افسانے اور اُردو ناول پر کڑی تنقید کی ہے۔ اُن کو اُردو فکشن کی نئی تشریحات اور جہتیں کھوجنے پر ایک بڑا نقاد تسلیم کیا جاتا ہے لیکن تنقید میں اُن کی خامیوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جن میں جارحانہ رویہ، طوالت، ذاتیات پر حملے، ذاتی پسند و ناپسند، مغربی نقادوں کے نظریات پر اُردو فکشن کی پرکھ، سنسنی خیز آرا قائم کرنا، تنگ نظری اور خیالات میں تضادات واضح طور پر محسوس ہوتے ہیں۔ ان باتوں سے ایک غیر جانبدار نقاد کو گریز کرنا چاہیے کیونکہ یہ باتیں تنقید اور نقاد کے فرائض منصبی کے خلاف ہیں۔

حوالہ جات

1۔ سلیم شہزاد، متن و معنی کا تجزیہ (مالیگاؤں: منظر نما پبلشرز، 1996) ص 72

2۔ جیلانی کامران، تنقید کا نیا پس منظر (لاہور: مکتبہ عالیہ، سن ندارد) ص ۱۵، ۱۴

3۔ علی حماد عباسی، جدید اُردو تنقید پر مغرب کے اثرات، (لکھنو: نصرت پبلشرز، ۱۹۹۰ء) ص، ۱۲۸، ۱۲۹

4۔ گلزار جاوید، ''براہِ راست''، مشمولہ ''چہار سو'' شمارہ ۲۲ جنوری، فروری ۲۰۱۳، مدیر اعلیٰ، سید ضمیر جعفری، راولپنڈی، ص ۱۹

5۔ علی احمد فاطمی، اُردو کے انوکھے البیلے اور نکیلے نقاد، مشمولہ نیا ورق، مدیر: شاداب رشید، جلد نمبر ۱۶، شمارہ ۴۱،
۴۲ اکتوبر تا مارچ ۲۰۱۴، ممبئی، ص، ۴۲

6۔ فضیل جعفری، کمان اور زخم (بمبئی: جواز پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء) ص، ۹۶

7۔ سکندر احمد، افسانے کی قواعد (ممبئی: اثبات پبلی کیشنز، 2012) ص 11

8۔ باقر مہدی، تنقیدی کشمکش (بمبئی: خیابان پبلی کیشنز، سن ندارد) ص، ۲۲۵

9۔ وارث علوی، کچھ بچالایا ہوں (گجرات: گجرات اُردو اکادمی، ۱۹۹۰ء) ص ۱۷۴

10۔ ایضاً، ص ۱۹۰

11۔ وارث علوی، پیشہ تو سپہ گری کا بھلا (گجرات: گجرات اُردو کادمی، ۱۹۹۰ء) ص ۱۹۶

12۔ وارث علوی، بورژواژی بورژواژی (دہلی: ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، سن ندارد) ص ۱۲

13۔ ایضاً، ص ۳۶

14۔ وہاب اشرفی، پروفیسر، معنیٰ سے مصافحہ (دہلی: ایجوکیشنل ہاؤس، ۲۰۰۵ء) ص ۱۷۸

15۔ وارث علوی، جدید افسانہ اور اُس کے مسائل (کراچی: آج، ۲۰۰۲ء) ص ۱۰

16۔ ایضاً، ص ۱۷

17۔ ایضاً، ص ۱۸

18۔ ایضاً، ص ۵۵